سلیم احمد کی شاعری میں اخلاقی اقدار

ڈاکٹر اصغر علی بلوچ

Dr. Asghar Ali Baloch

Head, Department of Urdu/Vice Principal,

Govt. Graduate College Science, Faisalabad.

کنیز فاطمہ

Kaneez Fatima

Visiting Lecturer/Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Govt. College Women University, Faisalabad.

Abstract:

Sleem Ahmad is the most importanat figure of urdu Poetry.He worked as poet,critic and drama writer.In his poetry eternal values and Mataphysical problems are discussed. He loves islamic and pakistani literature. In this article effort is made to highlight the above mentioned values through poetic example.

سلیم احمد ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بطور شاعر، نقاد، صحافی، ڈراما نگار اور نظریہ ساز خاصے فعال رہے۔ اُن کے ہاں حسن عسکری کی تربیت اور معاصر علمی و ادبی مطالعات نے ایک خاص شان پیدا کر دی ہے۔ سلیم احمد کو اپنے عہد کے حوالے سے ہی نہیں بلکہ آئندہ کے لیے بھی مختلف فکری حوالوں سے یاد رکھا جائے گا۔ ''بیاض'' کی صورت میں ہماری رائج الوقت شاعری اور معاشرت سے بغاوت کے طور پر جو غزل سامنے آئی بہت حد تک غیر روایتی تھی اسی طرح اکائی کی نظمیں اور مشرق جیسی طویل نظم سلیم احمد کی انفرادیت اور روشِ عام سے ہٹ کر چلنے کی طرف واضح اشارہ کرتی ہے۔

سلیم احمد کی نظم میں ابدی و آفاقی حقائق اور مابعد الطبیعاتی مسائل سے زیادہ بحث کی گئی ہے۔ وہ بنیادی طور پر پاکستانی اور اسلامی ادب کے نظریہ ساز ہی نہیں تھے بلکہ اُن کے پاس اس طرزِ احساس کا اظہار بھی ملتا ہے جو ظاہر ہے کہ تحریکِ ادب اسلامی کے ادبا کی طرح روایتی نہیں ہے۔ اس کی مثال میں اُن کی نظم ''مشرق'' کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ وہ خود اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

> ''شاعری اگر رُوح کی پکار اور ایک پوری زندگی کا ثمر ہے تو یہ نظم یقیناً ایسی شاعری ہے جو میرے وجود کی پوری معنویت کا اظہار کرتی ہے۔''(۱)

سلیم احمد صحیح معنوں میں اسلامی نصب العین سے گہری محبت رکھتے تھے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً ان کی تحریروں سے ہوتا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ایوب خاؔن کی آمریت کے دور میں جماعتِ اسلامی سے دِلی ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے

الطاف حسن قریشی کی پیش کش پر ''جسارت'' اخبار میں کالم نگاری شروع کی اور پاکستان کی بقا اور حفاظت کے لیے قلمی جدوجہد کا آغاز کیا، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

> ''اس زمانہ میں مجھ پر دیوانگی سی طاری تھی۔ میں اپنی دانست میں پاکستان اور اسلام کے دُشمنوں کے خلاف میدانِ جہاد میں کود پڑا تھا۔ خالد بن ولیدؓ اور ضرار بن ازدرؓ کے دستے روانہ ہو چکے تھے۔ میں ان دستوں کا ایک سپاہی تھا۔'' (۲)

سلیم احمد نے بے شک جماعتِ اسلامی کی شکست سے بد دِل ہو کر نظم ''مشرق'' کو تخلیق کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اجتماعی زندگی کی بہتری اور عوامی انقلاب کے ساتھ ساتھ فرد کے رُوحانی اور باطنی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نظم کو پورے ''مشرق'' کا نمائندہ بنا دیا ہے۔ ان کی اسلام پسندی سے انکار نہیں ہے لیکن بقول طاہر مسعود:

> ''۔۔۔وہ اسلام پسند ادیبوں میں اس لحاظ سے منفرد تھے کہ انقلاب کا پرجوش حامی ہونے کے باوجود وہ شاعری اور ادب کو انقلاب برپا کرنے کے عمل میں بطور آلۂ کار استعمال کرنے کے مخالف تھے۔ ان کے نقطۂ نظر کو ترقی پسندوں اور اسلام پسندوں میں بالعموم غلط طریقے سے سمجھا گیا اور ان پر بے محابا اور بسا اوقات اوچھے اور گھٹیا طریقے سے نکتہ چینی کی گئی۔۔۔'' (۳)

یہ حقیقت ہے کہ سلیم احمد نے مادہ پرست سماج کے سامنے مضبوط دفاعی حصار قائم کیا اور ''مشرق'' شناسی کی طرف اہم قدم اُٹھایا۔ اپنی نظم کے آغاز میں ''مشرق کی ہار'' کے بارے میں ''مشرق'' کو گم شدہ مقام یاد دِلاتے ہوئے کہتے ہیں:

''مشرق کیا تھا؟
جسم سے اُوپر اُٹھنے کی اِک خواہش تھی
شہوت اور جبلت کی تاریکی میں
اِک دیا جلانے کی کوشش تھی،
میں سوچ رہا ہوں، سورج مشرق سے نکلا تھا
(مشرق سے جانے کتنے سورج نکلے تھے)
لیکن مغرب ہر سورج کو نگل گیا ہے۔'' (۴)

ظاہر ہے سلیم احمد کے نزدیک مشرقی اخلاقیات کی صورت میں اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کی مثبت قدروں کی مغربیت زدگی درحقیقت مشرق کی ہار کے مترادف ہے۔ اسی سے اُن کی اسلامی اور مشرقی فکر کی سمت کا تعین ہو جاتا ہے۔ اِس پوری نظم میں اُنھوں نے اپنی آپ بیتی، دوستوں کے مباحثوں اور نظریات کی صورت میں ''مشرقیت'' کی رُوح کو بیدار کیا ہے۔ بے شک اُن کا لہجہ درشت ہے، وقتی غصہ اور انتقام بھی اس میں شامل ہے لیکن سلیم احمد کی نظریاتی دیانتداری بلاشک وشبہ اپنی جگہ برقرار ہے۔ اسی بنا پر پروفیسر فتح محمد ملک کہتے ہیں:

> ''یہ سیاست میں اس عاشقانہ چلن ہی کا کرشمہ ہے کہ ''مشرق ہار گیا'' میں سلیم احمد غصہ اور انتقام اور نفرت و حقارت کے منفی جذبات و احساسات کی تطہیر سے انھیں مثبت اور تعمیری

جذبات واحساسات کی منفرد صورت دے پائے ہیں۔'' (۵)

سلیم احمد نے اپنی نظم میں متعدد فکری سوالات اُٹھائے ہیں جن میں بنیادی سوال اور اس کا جواب کچھ یوں ہے:

آدمی کیا ہے؟
وجود اور موجود کے درمیاں رِشتہ دید ہے
مقید سے مطلق کی جانب سفر ہے
اگر صاف کہ دوں تو مطلق کا گھر ہے
''رشتۂ دید گم ہو گیا ہے''
تو جب میں نے تم سے کہا ہے کہ ہم کھو گئے ہیں
تو اس کا فقط اِتنا مفہوم ہے
ہمارا سفر اب مقید سے مطلق کی جانب نہیں ہے (۶)

سلیم احمد نے اپنی نظم ''مشرق'' میں نہ صرف اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی فلسفۂ اخلاق کو بھی فراموش نہیں کیا ہے۔ وہ ''مشرق'' کے ایک حصہ ''میں اور وہ'' میں اس طرح گویا ہوتے ہیں:

خدا نے تجھے نعمتیں دیں!
مگر تو نے بدکاریاں کیں
پرے باندھ کر تو شکم سیر بدمست گھوڑوں کی مانند
قحبہ خانوں میں ناچی!
زمیں تیرے قدموں سے ناپاک ہو کر
نجس عورتوں کی طرح
وہ غسلِ طہارت کرے گی
جو ترے خوں سے ہوگا!
ترے سب وزیر اور امیر اور شریر ایک ہیں
یہ کم بخت سونا بناتے ہیں
ایسے غریبوں کے خوں سے
جنھیں نانِ شب بھی میسر نہیں ہے
ترے نوجوانوں میں ہر ایک
اپنے پڑوسی کی بیوی پہ
یوں ہنہناتا ہے
جیسے شہوت سے گل جائے گا
تو اب تجھ پہ وہ لوگ آئیں گے

جن کے ترکش کھلی قبر ہیں(۷)

سلیم احمد نے اپنی نظم میں اپنی ہجرت کا قصہ بھی بیان کیا ہے۔ اُنھوں نے ''پاکستان'' کو ایک مقدس علامت اور خدائے محمدﷺ کی بخشی ہوئی سرزمین قرار دیا ہے اور مٹی کی زنجیر کو توڑ کر ایک نظریاتی مملکت کی طرف ہجرت کو اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہم نے مٹی کی زنجیر توڑی
کہ مکہ سے یثرب کی ہجرت
ہمارے لیے اِک مقدس علامت تھی
ہم نے کہا
''ہم مہاجر ہیں''
اور خدائے محمدﷺ کی بخشی ہوئی سرزمیں
اب ہمارا وطن ہے
ہمارا وطن
خدا اُس کو تا حشر آباد رکھے(۸)

مشرق کے علاوہ دیگر چھوٹی بڑی نظموں میں بھی سلیم احمد نے فلسفۂ اخلاق کا اظہار کیا ہے۔ وہ انسان کو کلیت میں دیکھنے کے عادی ہیں اِس لیے انھیں ''کسری آدمی'' سے چڑ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خیر وشر، نور وظلمت، عروج وزوال، بلندی و پستی، دُکھ اور سکھ کو زندگی کے لازمی عناصر گردانتے ہیں۔ اپنی نظم ''سورج'' میں کہتے ہیں:

میرے اندر نور وظلمت جدا جدا آہنگ نہیں ہیں
ایک ہی نغمے کے دو سُر ہیں
طاق میں رکھا دیا
جب تک جلتا ہے
نور ہے
بجھا دیا تو ظلم ہے
میں بھی جلتے بجھتے دِیے کی مانند
دونوں سے گزرتا رہتا ہوں
لیکن آدھا نور اور آدھی ظلمت
سورج کی وحدت میں نہیں(۹)

سلیم احمد نے یہاں پورے آدمی کی تصویر کشی کی ہے اور اس کے ساتھ ہی اُنھوں نے زندگی کے مختلف رویوں کو نہ صرف قبول کیا ہے بلکہ ان کی حقیقت کو دوسروں پر بھی واضح کیا ہے۔ سلیم احمد کا ''آدمی'' اپنے پورے وجود سے جس میں، عقل، جذبہ، احساس، نفسی میلانات، رُوح اور جسم سب ہی شامل ہوتے ہیں، پورا بنتا ہے اور اس تصور کے محیط سے وابستہ ہو کر پوری

اکائی بنتا ہے۔(۱۰)

سلیم احمد کے ہاں بھی آدمی کو ایک اکائی سمجھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تہذیبی، رُوحانی اور نفسی سطح پر اپنے فلسفۂ اخلاق کو مرتب کرتے ہیں۔جس میں ان کی پاکستانیت/اسلامیت اور وسیع المشربی کو خاص دخل ہے۔ وہ ادب میں پوری سنجیدگی کے ساتھ اِس پورے آدمی کی کہانی مرتب کرتے ہیں کیوں کہ وہ متجسس، حقیقت پسند اور باریک بین ہیں اور زندگی کی ہمہ گیریت کے قائل ہیں۔اسی لیے تو وہ کہتے ہیں:

زمانہ ، نوکری ، گھر ، فکرِ دُنیا
یہ رنگینی کا افسانہ نہیں ہے
تجھے چاہا ہے پورے جسم و جاں سے
محبت کا الگ خانہ نہیں ہے(۱۱)

سلیم احمد نے پوری زندگی کو پوری نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے اور یہی ان کی ہمہ گیر ادبی حیثیت کی دلیل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سلیم احمد، پیش لفظ: مشرق، مشمولہ: کلیاتِ سلیم احمد، اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ، ۲۰۰۳ء، ص:۳۷۰

۲۔ ایضاً، ص:۳۶۹

۳۔ طاہر مسعود، صورت گر کچھ خوابوں کے، کراچی: مکتبہ تخلیقِ ادب، ۱۹۸۵ء، ص:۴۷۔۴۶

۴۔ سلیم احمد، کلیاتِ سلیم احمد، ص:۸۱۔۳۸۰

۵۔ فتح محمد ملک، اپنی آگ کی تلاش میں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص:۶۶

۶۔ سلیم احمد، کلیاتِ سلیم احمد، ص:۸۸۔۳۸۷

۷۔ ایضاً، ص:۳۹۱

۸۔ ایضاً، ص:۳۹۸

۹۔ ایضاً، ص:۲۰۸

۱۰۔ احمد علی سیّد، روایتی تہذیب اور پورا آدمی، مشمولہ: کتابی سلسلہ، رسالہ، سلیم احمد خصوصی مطالعہ، حیدر آباد: ۱۹۸۵ء، ص:۴۶۵

۱۱۔ سلیم احمد، کلیاتِ سلیم احمد، ص:۱۶۴

☆......☆......☆